بوستاں کی کہانیاں

علقمہ شبلی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

بوستاں کی کہانیاں

ترتیب

علقمہ شبلی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

پہلی اشاعت	:	1985
چوتھی طباعت	:	2011
تعداد	:	2100
قیمت	:	-/11 روپئے
سلسلۂ مطبوعات	:	507

Bostan Ki Kahaniyan

Compiler:

Alqama Shibli

ISBN :978-81-7587-374-2

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099

شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

فون نمبر: 26109746، فیکس: 26108159

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: سلاسار امیجنگ سسٹمس آفسیٹ پرنٹرس، C-7/5، لارنس روڈ انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی۔ 110035

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho(Top) کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

تعارف

گلستاں اور بوستاں شیخ سعدی کی دو مشہور کتابیں ہیں۔ گلستاں نثر میں ہے اور بوستاں نظم میں۔ بوستاں کو دس حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصّے کو باب کہا جاتا ہے۔ اسی طرح گلستاں میں بھی آٹھ باب ہیں۔ یہ کہانیاں شیخ سعدی کی کتاب "بوستاں" سے جمع کی گئی ہیں۔

شیخ سعدی کا اصل نام شرف الدین اور تخلّص سعدی ہے۔ ان کے والد کا نام مصلح الدین تھا۔ ان کی پیدائش ۶۰۶ھ کے لگ بھگ شیراز میں ہوئی۔ شیراز ایران کا ایک مشہور شہر ہے۔ شیخ نے یہاں مکتب میں پڑھائی شروع کی اور اس کے بعد بغداد چلے گئے۔ اس وقت بغداد کا مدرسہ نظامیہ بہت مشہور تھا۔ شیخ یہیں داخل ہو گئے اور تعلیم پوری کی۔ ان کو شروع ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا اس لیے جلدی ان کی گنتی عالموں میں ہونے لگی اور ان کے ساتھی ان پر رشک کرنے لگے۔ شیخ جوانی ہی سے بے چین روح رکھتے تھے کسی ایک جگہ ان کو قرار نہ تھا۔ ساری دنیا میں گھومنا

اور لوگوں کو دیکھنا چاہیے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا وطن ایران اس وقت لڑائی اور کش مکش میں گھرا ہوا تھا۔ اس لیے ان کا دل اپنے وطن سے اُچاٹ ہوگیا اور انہوں نے مختلف ملکوں کا سفر شروع کیا۔ اور کوئی تیس چالیس سال کی مدت سفر ہی میں گزار دی۔ بغداد، شام اور مکّہ سے لے کر افریقہ تک گھومتے رہے۔ گلستاں کی بعض کہانیوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے ہندوستان بھی دیکھا ہے اور یہاں کئی بار آئے ہیں۔ اس لمبے سفر میں انھیں غربت کی تکلیف بھی سہنی پڑی اور خوشحالی کا زمانہ بھی دیکھنے کو ملا لیکن ہر حال میں یہ خوش رہے اور اپنا سفر جاری رکھا۔

اس سفر کے بعد شیخ شیراز واپس ہوئے۔ اس زمانے میں یہاں ان کے سرپرست اتابک ابوبکر بن سعد بن زنگی حکومت کرتے تھے۔ ملک میں ہر طرف امن اور چین تھا۔ اب شیخ کو سکون نصیب ہوا اور خیال ہوا کہ اپنے تجربوں کو کتابی شکل میں جمع کریں۔ چنانچہ بوستاں شعروں میں لکھا اور اس کے ایک سال بعد گلستاں لکھا۔

کتاب گلستاں لکھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے شیخ سعدی نے خود لکھا ہے:۔

"ایک رات میں اپنی بیتی ہوئی زندگی پر افسوس کر رہا تھا اور اپنے گزرے ہوئے زمانے پر آنسو بہا رہا تھا بہت سوچنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب دوستوں کی محفل میں آنا جانا ختم کر کے

ایک گوشے میں تنہا بیٹھ جاؤں اور بے ضرورت بات نہ کروں۔ اتنے میں میرا ایک دوست میرے گھر آیا اور مجھ سے دوستی کی باتیں کرنی چاہی لیکن میں چپ چاپ رہا۔ میرے گھر والوں نے اسے اصل واقع بتایا۔ اس دوست نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک یہ پرانی عادت کے مطابق مجھ سے بات چیت نہ کرے گا چوں کہ دوستوں کا دل دُکھانا بہت گناہ کی بات ہے اس لیے مجبوراً میں نے اس سے بات چیت شروع کر دی اور ٹہلتا ہوا باہر گیا۔ بہار کا موسم تھا اور ہلکی ہلکی سردی پڑ رہی تھی۔ باغ میں پھول کھل رہے تھے اور ان کی بھینی بھینی خوشبو ہر طرف پھیل رہی تھی ہم لوگوں نے باغ میں رات گزاری۔ صبح کے وقت جب میں واپس ہونا چاہ رہا تھا تو دیکھا کہ وہی دوست رنگ برنگ کے پھول اپنے دامن میں لیے چلا آ رہا ہے۔ میں نے کہا یہ پھول تھوڑی دیر بعد مُرجھا جائیں گے اس لیے یہ دِل لگانے کے قابل نہیں ہیں۔ اس پر اس دوست نے پوچھا کہ کیا کیا جائے۔ میں نے کہا کہ میں ایک کتاب "گلستاں" لکھ سکتا ہوں جس کے ہر ورق پر ایسے پھول کھلیں گے جو کبھی نہیں مُرجھائیں گے۔ یہ سنتے ہی اس نے پھولوں کو نیچے ڈال دیا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ میں نے بھی وعدے کے مطابق

کتاب شروع کردی اور ابھی بہار کا موسم ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ
کتاب پوری ہو گئی۔

اپنی کتابوں میں شیخ سعدیؒ نے زندگی کے تجربات کو کہانیوں
میں بیان کیا ہے۔ ان میں دل کی صفائی انسانی ہمدردی اور سیدھی
سادی زندگی گزارنے پر زور دیا گیا ہے بڑوں کا ادب،
چھوٹوں کے ساتھ مہربانی، غریبوں کی خدمت اور انسانوں سے
محبت کا سبق ان سے ملتا ہے۔ شیخ خوش مزاج نہیں بلکہ ہنسنے ہنسانے
والے باغ و بہار آدمی تھے۔ ہنسی ہنسی میں کام کی باتیں کہہ
جاتے ہیں۔

منصف مزاج بادشاہ

کہا جاتا ہے کہ کسی ملک میں ایک منصف مزاج بادشاہ تھا وہ معمولی موٹے جھوٹے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ کسی نے اس سے کہا:-

"اے اقبال مند بادشاہ! آپ کو تو ملک چین کا قیمتی ریشمی کپڑا پہننا چاہیے۔ یہ معمولی کپڑا آپ کو زیب نہیں دیتا"

بادشاہ نے جواب دیا:-

بدن ڈھانکنے کے لیے یہ کپڑا کافی ہے اور اگر اس سے قیمتی ہو تو زیبائش اور فضول خرچی ہے۔ میں رعایا سے لگان اس لیے وصول نہیں کرتا کہ اپنا یا تخت و تاج کا بناؤ سنگار کروں۔ اگر میں عورتوں کی طرح قیمتی کپڑے اور زیور پہننے لگوں تو دشمنوں کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہوں؟ میرے دل میں بھی اچھے کپڑوں کی خواہش ہوتی ہے لیکن سرکاری خزانہ صرف میرا نہیں ہے۔ اس میں فوج اور لشکر کا حصّہ ہے۔ یہ بادشاہ کی آرائش کے لیے نہیں ہے۔ بعایا

درخت کی طرح ہیں۔ اگر تم ان کی دیکھ بھال کرو تو اس سے پھل کھا سکتے ہو اور اگر تم اسے جڑ سے اکھاڑ دو تو خود اپنے اوپر ظلم کرو گے۔ دنیا میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو کمزوروں پر ظلم نہیں کرتے اور خود دکھ اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتے ہیں"

وہ شخص یہ باتیں سن کر خاموش ہو گیا۔

جمشید اور چشمہ

ایران میں ایک مشہور بادشاہ جمشید گزرا ہے۔ وہ ایک بار ایک چشمہ پر گیا اور کچھ دیر وہاں بیٹھ کر لطف اٹھاتا رہا۔ جب چلنے لگا تو وہاں سے ایک پتھر اٹھایا اور اس پر یہ لکھ کر چشمہ کے کنارے لگایا:۔

''اس چشمہ کے کنارے ہم جیسے بہت سے لوگوں نے آنکھیں کھولیں لیکن جب آنکھیں بند ہوئیں تو یہاں سے چُپ چاپ رخصت ہو گئے۔ ہم نے طاقت اور زور سے حکومت تو حاصل کر لی لیکن اسے اپنے ساتھ قبر میں نہیں لے جا سکے۔ اس لیے اگر تجھے کسی دشمن پر قابو حاصل ہو تو اسے موت کے گھاٹ مت اتار۔ اگر دشمن زندہ رہ کر پریشان رہے تو اس سے اچھا ہے کہ تو اس کا خون اپنی گردن پر لے۔''

دارا اور چرواہا

ایک بار دارا (ایران کا بادشاہ) شکار کھیلنے جنگل گیا۔ وہ ایک ہرنی کا پیچھا کرتے ہوئے لشکر سے بہت دور نکل گیا۔ کچھ دور پر اُسے ایک چرواہا نظر آیا جو اس کی طرف دوڑا ہوا چلا آ رہا تھا۔ دارا نے جی میں سوچا یہ کوئی دشمن ہی ہوگا۔ یہ سوچ کر اس نے تیر میں کمان ٹھیک کیا اور اسے نشانہ بنانا چاہا۔ چرواہا یہ دیکھ کر چلا اٹھا۔

"حضور یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں تو آپ کے گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوں اور بہت دنوں سے اسی خدمت میں لگا ہوا ہوں۔ آپ کو اکیلا دیکھ کر خدمت اور حفاظت کے لیے آیا ہوں۔"

یہ سُن کر بادشاہ کی جان میں جان آئی اور اس نے خوش ہوکر چرواہے سے کہا:

"قسمت نے تیری مدد کی ورنہ میں تو تیر کمان کو نشانے کے لیے کھینچ ہی

چکا تھا۔

چرواہے نے ہاتھ جوڑ کر کہا:۔

”آپ کا فرمانا بالکل ٹھیک ہے لیکن اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کروں؟“

”شوق سے کہو“، بادشاہ نے جواب دیا۔

”بادشاہ سلامت“، چرواہے نے کہا، ”کسی بادشاہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ دوست اور دشمن میں فرق نہ کرے۔ آپ مجھے بارہا دیکھ چکے ہیں اور گھوڑوں کا حال چال پوچھ چکے ہیں اور اس وقت جب میں سامنے آیا تو آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ مجھے دیکھیے، میں ہزاروں جانوروں میں سے اپنے گھوڑے کو نکال لا سکتا ہوں۔“

دارا چرواہے کی بات پر بہت خوش ہوا اور اسے انعام دینے کا حکم دیا۔

عمر بن عبدالعزیز اور انگوٹھی

عمر بن عبدالعزیز خاندان بنو امیہ کے مشہور خلیفہ گزرے ہیں۔ انصاف اور رعایا کی دیکھ بھال میں وہ بہت مشہور تھے ان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس میں بیش قیمت نگ جڑا تھا وہ نگ رات کو دیئے کی طرح چمکتا تھا۔ جوہری بھی اس کی قیمت لگانے سے عاجز تھے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک سال ملک میں خشک سالی اور کال پڑا اور لوگ ایک ایک دانے کو ترس گئے۔ مرد، عورت اور بچے سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔ جب خلیفہ نے یہ حال دیکھا تو مناسب نہیں سمجھا کہ خود تو آرام و آسائش کی زندگی گزارے اور رعایا بھوکوں مرے۔ فوراً انہوں نے انگوٹھی انگلی سے اتاری اور خادموں سے کہا جاؤ اسے بازار میں بیچ آؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس سے جو قیمت حاصل ہوئی اسے غریبوں اور محتاجوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا

کچھ درباریوں نے خلیفہ کے اس فعل کو مناسب نہیں سمجھا اور عرض کیا

کر آپ نے یہ کیا کیا؟ اب ایسی انگوٹھی کہاں ملے گی؟ یہ سُن کر خلیفہ کی آنکھوں میں
آنسو آگئے اور انہوں نے سمجھاتے ہوئے کہا:۔

جب رعایا دُکھ اور مصیبت میں ہو تو بادشاہ کو مناسب نہیں ہے کہ خود
آرام و آسائش سے رہے اور بناؤ سنگار سے کام لے۔ میں بغیر نگ کی انگوٹھی پہن
سکتا ہوں لیکن عوام کو دکھ اور مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا۔ انسان وہ ہے جو اپنی
خوشی اور آرام چھوڑ کر عام لوگوں کی خوشی اور آرام کے لیے کوشش کرے۔ اگر
بادشاہ اپنے تخت پر آرام کی نیند سوتا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ فقیر کو سکھ کی نیند
آئے گی لیکن اگر بادشاہ رات کو رعایا کی دیکھ بھال کے لیے جاگتا ہے تو عوام آرام کی
نیند سو سکتے ہیں خدا کے نزدیک وہ شخص زیادہ اچھا ہے جو خدا کے بندوں کا
آرام اپنے آرام سے زیادہ پسند کرے۔"

خدمتِ خلق

تکلّم شیراز کا مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ جب وہ تخت پر بیٹھا تو اس نے کوشش کی کہ اس کے کسی کام سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ایک بار اس نے ایک بزرگ سے کہا کہ جب یہ دنیا فانی ہے اور میں اپنے ساتھ یہاں سے کچھ نہیں لے جا سکتا تو میرے لیے مناسب ہے کہ میں تخت و تاج چھوڑ کر کسی گوشے میں بیٹھ جاؤں اور خدا کی عبادت کرتا رہوں تاکہ میری زندگی سنور جائے اور چند روز کی زندگی بے کار نہ جائے۔ بزرگ نے یہ بات سُن کر ناخوشی کا اظہار کیا اور کہا:

.. مخلوق کی خدمت کا نام ہی عبادت ہے۔ کسی گوشے میں جانماز پر بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا ہی عبادت نہیں ہے۔ آپ اپنے تخت پر بیٹھ کر بھی خدا کے نیک بندوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر دِل صاف ہو، اخلاق اچھے ہوں اور لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ ہو تو آدمی بادشاہی میں بھی فقیری کر سکتا ہے اور

خدا کی نزدیکی حاصل کر سکتا ہے۔ یہی سب سے بڑی عبادت
اور یہی سب سے بڑی نیکی ہے۔ دعوے سے کچھ نہیں ہوتا عمل
سب سے بڑی چیز ہے۔"

دو بھائی

پچھم کے کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ دونوں بھائی شکل و صورت کے اچھے اور جوان مرد تھے۔ جب بادشاہ کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے سلطنت کو دو حصوں میں بانٹ دیا اور ہر ایک لڑکے کے حوالے ایک حصہ کیا تاکہ اس کی وفات کے بعد دونوں بھائی آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں۔ چند ہی دنوں کے بعد بادشاہ کی وفات ہوگئی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی اور ہر بھائی ایک ایک حصّے کا بادشاہ ہوا۔

ایک بھائی رحم دل اور منصف مزاج تھا۔ پہلے اس نے ملک کے لوگوں کی بھلائی کی طرف توجہ کی۔ غریبوں کی امداد کا انتظام کیا۔ بیماروں کے لیے شفاخانے بنوائے اور مسافروں کے لیے سرائیں تعمیر کروائیں۔ ملک کو مضبوط کرنے اور دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک بڑی فوج بھی تیار کی اور ان کے لیے مناسب تنخواہیں مقرر کیں بڑے

دھوم دھام سے اس کی شادی ہوئی اور ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جو باپ ہی
کی طرح ہنس مکھ اور با اخلاق تھا۔ اس کے انصاف کی وجہ سے ملک میں
ہر طرف امن و امان تھا۔ کوئی دوسرے کے مال کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں
دیکھتا تھا۔ ہر شخص چین کی بانسری بجاتا تھا۔ یہ دیکھ کر آس پاس کے دوسرے
سردار بھی اس کے فرماں بردار ہو گئے اور اس کو اپنا بادشاہ مان لیا۔

دوسرا بھائی بڑا لالچی اور ظالم تھا۔ اس نے کسانوں پر لگان بڑھا
دیا۔ سوداگروں سے زیادہ ٹیکس وصول کرنے لگا۔ وہ درحقیقت دوسروں
کا ہی نہیں اپنا بھی دشمن تھا۔ دولت جمع کرنے کے لالچ میں اپنے کھانے پر بھی
خرچ نہیں کیا کرتا۔ آخر وہاں سے سوداگروں نے اپنا کاروبار اٹھا لیا اور
کاشت کاروں نے بھی کاشت کاری چھوڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے لوگوں کا
حال بُرا ہو گیا اور فوج کے سپاہی تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہو گئے
یہ حال دیکھ کر دوسرے ملک کی فوج نے اس پر حملہ کر دیا۔ سلطنت اس کے
ہاتھ سے چلی گئی اور ملک تباہ و برباد ہو گیا۔

سچ ہے اچھے کام کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے اور بُرے کام کا انجام بُرا۔
انصاف اور بھلائی سے ملک بستا ہے اور بُرائی سے سلطنت تباہ و برباد ہوتی ہے۔

پہلوان اور کنواں

کسی ملک میں ایک پہلوان تھا۔ ہر شخص اس کے ڈر سے کانپتا رہتا تھا۔
اس کو اپنی طاقت کا بڑا گھمنڈ تھا اور دوسروں کو ڈرانے ہی میں وہ اپنی
بڑائی سمجھتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن وہ کسی کنویں میں گر پڑا۔ اس وقت
اسے اپنی بے بسی کا اندازہ ہوا۔ رات بھر وہ کنویں میں چیختا چلاتا رہا لیکن
کوئی اس کی مدد کو نہ پہنچا۔ جب بہت شور مچایا تو ایک شخص نے جو اُدھر
سے گزر رہا تھا، پہلوان کو پہچان کر ایک پتھر اس کے سر پر مارا اور کہا۔
"آج تو کنویں میں گر پڑا ہے تو دوسروں کو مدد کے لیے بلا رہا
ہے لیکن ذرا یہ بھی تو سوچا ہوتا کہ تُو نے آج تک کسی مدد کی ہے۔ تو زندگی بھر
دوسروں کو تکلیف اور دُکھ پہنچاتا رہا ہے۔ آج تو کس طرح یہ امید رکھتا
ہے کہ دوسرے اگر تیرے زخم پر پھاہا رکھیں گے۔ تُو نے تو خود راستے میں
کنواں کھودا تھا تاکہ دوسرے اس میں گریں۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ
تو خود اس میں گر پڑا۔ دوہی آدمی کنواں کھدولتے ہیں ایک ــــ تو وہ

نیک بخت جو پیاسوں کو پانی پلانا چاہتا ہے۔ اور دوسرا وہ بدبخت جو دوسروں کو کنویں میں گرانا چاہتا ہے۔ تو نے ہمیشہ بُرائی کی ہے اس لیے بھلائی کی امید رکھنا بےکار ہے۔ اگر تُو جَو بوئے گا تو کاٹتے وقت گیہوں تیرے ہاتھ کہاں سے آئے گا۔ تُو جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔"

حجّاج بن یوسف اور نیک آدمی

حجاج بن یوسف بدنام زمانہ ظالم گورنر گزرا ہے۔ اس کے ظلم اور سختی سے ہر شخص پریشان تھا۔ ایک بار ایک نیک آدمی حجاج کے پاس سے گزرا اور آداب بجا نہ لایا۔ غصّے سے حجاج لال پیلا ہو گیا اور اپنے سپہ سالار کو اشارہ کیا کہ اس کے قتل کی تیاری کی جائے۔ سچ ہے جب ظالم کے پاس کوئی جواب نہیں رہتا تو وہ لڑائی پر آمادہ ہو جایا کرتا ہے۔ نیک آدمی نے جب حجاج کے اشارے کو سمجھا تو پہلے ہنسا اور پھر رو دیا۔ حجاج کو ان کے ہنسنے اور رونے پر بڑا تعجب ہوا اور اس نے اس کا سبب پوچھا نیک آدمی نے جواب دیا۔

" رو تو اس لیے رہا ہوں کہ میرے چار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں اور ہنسی اس لیے آرہی ہے کہ یہ خدا کی مہربانی ہے کہ میں دنیا سے مظلوم بن کر جا رہا ہوں ظالم بن کر نہیں۔

ایک بزرگ آدمی یہ باتیں سن رہے تھے انہوں نے بادشاہ سے کہا

کہ اس نیک آدمی کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے کیوں کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو اس کی راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ تجھے مہربانی اور معافی سے کام لینا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو اپنے خاندان کا دشمن ہے جو دوسروں کے خاندان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے۔ مظلوم کے دل سے جو آہ نکلتی ہے وہ گھر کا گھر تباہ کر دیتی ہے۔ اس سے ڈرنا چاہیے۔

اس طرح انہوں نے حجاج کو سمجھانے کی بہت کوشش کی اور اسے لاجواب کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود حجاج پر کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے اس نیک آدمی کو قتل کر دیا۔ وہ بزرگ آدمی اس سوچ میں رات بھر سو نہ سکے۔ جب ذرا آنکھ لگی تو دیکھا کہ وہ نیک آدمی کہہ رہا ہے کہ مجھے تو چند منٹ کی تکلیف اٹھانی پڑی لیکن حجاج قیامت تک عذاب میں مبتلا رہے گا۔

بیمار بادشاہ

کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ ایک بار اسے ایک ایسا پھوڑا نکلا جس سے یہ بالکل کمزور ہو گیا۔ بادشاہ کا یہ حال دیکھ کر ایک نمک خوار نوکر نے کہا۔

"عالی جاہ! اس شہر میں ایک بزرگ رہتے ہیں پرہیزگاری میں جن کا جواب نہیں ہے۔ جو بھی اپنی مشکل ان کے پاس لے جاتا ہے وہاں سے کامیاب واپس آتا ہے۔ حضور بھی انہیں بلوائیں تاکہ وہ آپ کے لیے دعا کریں اور خدا کی مہربانی سے آپ کی یہ بیماری دور ہو جائے"

بادشاہ نے اس بزرگ کو دربار میں لانے کا حکم دیا حکم کی دیر تھی وہ بزرگ نہایت عزت اور احترام سے دربار میں لائے گئے۔ بادشاہ نے ان سے اپنا حال بیان کیا اور کہا:۔

"آپ میرے لیے دعا کیجیے کیوں کہ اس پھوڑے نے مجھے بالکل مجبور کر دیا ہے اور میں اس بیماری میں سوئی کی طرح گرفتار ہوں"

تجربہ کار بزرگ نے یہ بات سُن کر بادشاہ سے صاف صاف کہا:۔

"اے بادشاہ! خدا منصف مزاج لوگوں پر مہربان ہے جو خدا کی مخلوق کے ساتھ رحم و کرم کرتا ہے خدا بھی اس کو اپنی بخششوں سے نوازتا ہے اور تیرا یہ حال ہے کہ تو نے لوگوں کے ساتھ کوئی مہربانی نہیں کی ہے بلکہ ان کو اپنے ظلم کا شکار بنایا ہے پھر میری دعا سے تجھے کس طرح فائدہ ہو سکتا ہے۔ تجھ کو تو پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہیے اور پھر مجھ سے دعا کی درخواست کرنی چاہیے؛"

بادشاہ نے بزرگ کی یہ بات سنی اور اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوا۔ اس نے فوراً حکم جاری کیا کہ جو لوگ بے قصور جیل میں ہیں انہیں رہا کیا جائے۔ اس کے بعد بزرگ نے دو رکعت نماز ادا کی اور خدا سے گڑگڑا کر بادشاہ کے لیے دعا کی کہ اے آسمانوں کے بلند کرنے والے! تو نے بادشاہ کو نافرمانی کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا کیا تھا۔ اب صلح کے سبب اسے معاف کر دے ابھی بزرگ کے ہاتھ دعا ہی میں تھے کہ بادشاہ بالکل بھلا چنگا ہو گیا اور اپنے بستر سے اٹھ بیٹھا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور اپنا خزانہ اس بزرگ کے قدموں میں ڈال دیا لیکن بزرگ نے کچھ بھی نہ لیا اور بادشاہ کو نصیحت کی کہ ایک بار تو خدا نے تمہیں معاف کر دیا اب پھر کبھی خدا کے بندوں پر ظلم نہ کرنا ورنہ پھر سنبھل نہ پاؤ گے۔

قزل ارسلان کا قلعہ

قزل ارسلان ایران کے سلجوقی خاندان کا مشہور بادشاہ تھا۔ اس کا ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ تھا جو الوند پہاڑ کی طرح بلند تھا۔ اس قلعے کے چاروں طرف سبزہ زار تھا اور یہ قلعہ ایسا پیچ دار تھا کہ کسی دشمن کے حملے کا ڈر نہ تھا۔ ایک بار ایک بزرگ بہت دُور سے بادشاہ کے پاس آئے۔ وہ جہاں دیدہ اور تجربہ کار تھے خدا کی یاد سے ان کا دِل روشن تھا۔ بادشاہ کے اس بلند اور وسیع قلعے کو دیکھ کر وہ مسکرائے اور بادشاہ سے بولے:۔

"یہ قلعہ تو بہت خوب صورت ہے لیکن میرے خیال میں یہ مضبوط نہیں ہے۔ تم سے پہلے بڑے طاقت ور بادشاہ کا اس پر قبضہ تھا لیکن کچھ دنوں رہ کر وہ یہاں سے رخصت ہو گئے اور اسے چھوڑ گئے۔ تمہارے بعد بھی اس میں دوسرے بادشاہ رہیں گے تم اپنے باپ کے زمانے کو یاد کرو کہ کس طرح اس قلعے پر ان کا

قبضہ تھا اور ہر طرف ان کا سکّہ چلتا تھا لیکن آج زمانے نے
انہیں اس طرح مٹی کے نیچے پہنچا دیا ہے کہ یہاں کی کسی چیز پر
ان کا قبضہ نہ رہا۔ اسی لیے سمجھدار آدمی دنیا کو آنکھ نہیں
لگاتا۔ کیوں کہ یہ ہمیشہ کسی کے ساتھ نہیں رہتی بلکہ ہر زمانے
میں اس کی وفاداری بدلتی رہتی ہے۔

مسافر اور کھانا

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خدا کے بڑے پیغمبروں میں سے ہیں ان کی عادت تھی کہ وہ روزانہ کسی مسافر کو اپنے دستر خوان پر کھانے کی دعوت دیتے تھے۔ اتفاق سے ایک بار ان کے لنگر خانے میں ایک ہفتے تک کوئی مسافر نہیں آیا خدا کے پیغمبر خود باہر نکلے اور ہر طرف نظر دوڑائی دیکھا کہ ایک آدمی تنہا کھڑا ہے اور کمزوری سے بیر کے درخت کی طرح کانپ رہا ہے اس کے بال بڑھاپے کی وجہ سے بالکل سفید ہو گئے ہیں۔ اسے دیکھ کر ابراہیم علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور اسے کھانے کی دعوت دی۔ اس بوڑھے آدمی نے ان کی دعوت قبول کی اور ان کے ساتھ ان کے گھر آیا۔ نہایت عزت اور احترام کے ساتھ بوڑھے آدمی کو بٹھایا گیا۔ دستر خوان پر کھانا چُنا گیا اور سب کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ خدا کا نام لے کر سب لوگوں نے کھانا شروع کیا لیکن بوڑھے نے خدا کا نام نہ لیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو یہ ناگوار ہوا اور انھوں نے بوڑھے سے کہا کہ جب تم خدا کا دیا ہوا کھانا کھاتے ہو تو کیا یہ ضروری

جبیں کہ کھانا شروع کرتے وقت اس کا نام لو۔ بوڑھے آدمی نے جواب دیا کہ میں تمہارے دین کا ماننے والا نہیں ہوں۔ میرے آتش پرست مرشد نے یہ تعلیم نہیں دی ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ سنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور اسے نہایت ذلت کے ساتھ نکال باہر کیا۔ فوراً ہی حضرت ابراہیمؑ پر خدا کی وحی نازل ہوئی:۔

"میں تو سو سال سے اسے روزی دے رہا ہوں اور تجھے ایک ہی لمحے میں اس سے نفرت ہو گئی۔ مانا کہ وہ آگ کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہے تو تجھے اس سے کیا؟ تجھے اپنی بخشش کا ہاتھ اس سے نہیں کھینچ لینا چاہیے تھا۔"

مغرور عابد

ایک آدمی حج کی نیت سے گھر سے نکلا اور حجاز کی طرف روانہ ہوا جہاں مکّہ معظّمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں۔ وہ ہر قدم پر دو رکعت نماز ادا کرتا تھا۔ اور خدا کی راہ میں اس تیزی سے سفر کر رہا تھا کہ اسے پاؤں سے کانٹے نکالنے کی بھی فرصت نہ تھی جاتے جاتے اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں تو ایسا نیک کام کر رہا ہوں کہ کسی دوسرے کے لیے یہ کرنا ممکن نہیں۔ قریب تھا کہ یہ گھمنڈ اس کو سیدھے راستے سے بھٹکا دے مگر خدا کی رحمت نے اسے سنبھالا اور اس کے کانوں میں ایک آواز آئی کہ کوئی کہہ رہا ہے:۔

"اگر تم نے عبادت کی ہے تو اس پر پھولے نہ سماؤ کیوں کہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا اور اسے دکھ اور مصیبت سے رہائی دلانا ہر منزل پر ہزار رکعت نماز پڑھنے سے زیادہ اچھا ہے"

یہ سُن کر اس کی آنکھیں کُھل گئیں اور اپنے غرور پر افسوس ہوا۔

خدا کی قدرت

ایک غریب کئی دن سے بھوکا تھا۔ بھوک اور پیاس سے وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ مجبور ہو کر یہ ایک امیر آدمی کے پاس گیا اور اپنی حالت بیان کر کے مدد کی درخواست کی۔ وہ بڑا بد مزاج تھا اس غریب کی مدد کرنے کے بجائے اس سے نہایت بد مزاجی سے پیش آیا۔ غریب بے چارہ تو پریشان تھا ہی اس کے اس برتاؤ سے اس کا دل ٹوٹ گیا اور کہا کہ خدا نے تجھے دولت دی ہے اس کے باوجود کسی غریب کی درخواست کو رد کرتے ہوئے تجھے ڈر نہیں معلوم ہوتا۔ یہ سنتے ہی امیر نے اپنے نوکروں کو اسے زبردستی گھر سے نکال دینے کا حکم دیا۔

اتفاق سے کچھ دنوں کے بعد اقبال نے اس امیر آدمی سے منہ پھیر لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ساری دولت جاتی رہی اور وہ کوڑیوں کا محتاج ہو گیا۔ بھوک اور فاقے سے اس کی صورت بدل گئی۔ اس کے نوکروں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا اس کے نوکروں میں سے ایک نے ایک سخی آدمی کے یہاں ملازمت کر لی یہ آدمی بڑا نیک دل تھا اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر کے خوش ہوتا تھا۔

ایک بات یہ سخی آدمی اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ ایک فقیر اس کے دروازے پر آیا اور کھانے کی درخواست کی۔ سخی نے اپنے اسی غلام کو کہا کہ اس بے چارے فقیر کے کھانے پینے کا انتظام کرو کیوں یہ تھکا ہوا اور بھوکا معلوم ہوتا ہے۔ جب نوکر کھانا لے کر اس کے پاس آیا تو اسے پہچان کر چیخ پڑا۔ جب اس کے مالک نے اس کی چیخ سنی تو اس کا سبب پوچھا۔ نوکر نے کہا۔

"وہ اس فقیر کو دیکھ کر میرا دِل بے قرار ہو گیا کیوں کہ پہلے میں اسی کا غلام تھا اور یہ میرا مالک۔ اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی آج اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا۔"

مالک یہ سُن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا:۔

"دولت ہمیشہ کسی کے پاس نہیں رہتی۔ جو دولت کا شکر ادا نہیں کرتا دولت اس سے منہ پھیر لیتی ہے۔ میں نے بھی اس فقیر کو پہچان لیا ہے۔ ایک بار میں اپنی غربت کے زمانے میں اس کے در پر گیا تھا اور اس نے مجھے اپنے دروازے سے نکال دیا تھا آج خدا نے مجھ پر مہربانی کی ہے اور یہ میرے دروازے پر آیا ہے۔ یہی خدا کا انصاف ہے۔"

شبلی اور چیونٹی

ایک بار مشہور بزرگ حضرت شبلیؒ نے ایک دوکان سے گیہوں خریدا اور وہ اسے بورے میں رکھ کر اپنے کاندھے پر گھر لائے انہوں نے دیکھا کہ اس میں ایک چیونٹی پریشان ہے اور چاروں طرف دوڑ رہی ہے۔ یہ دیکھ کر رات بھر حضرت شبلی کو نیند نہ آئی۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے چیونٹی کو اپنی جگہ واپس لوٹایا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں تھا کہ اس پریشان چیونٹی کو اپنی جگہ سے دور رکھوں۔ جو لوگ پریشان حال ہیں ان کی پریشانی دور کرنا ہی انسانیت ہے۔ اگر خدا نے طاقت دی ہے تو کمزوروں کو ستانا نہیں چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہم بھی چیونٹی کی طرح کسی کے پاؤں کے نیچے آجائیں مان لیا کہ ہم سے کمزور بہت لوگ ہیں لیکن آخر ہم سے طاقت ور بھی تو کوئی ہے۔

فقیر اور لومڑی

کسی جنگل میں ایک لومڑی تھی جو بہت کمزور ہوگئی تھی اور ہاتھ پاؤں ہلانے کے قابل نہ تھی۔ ایک آدمی کی نظر اس پر پڑی۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر وہ لومڑی کہاں سے کھاتی پیتی ہے اور کس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ایک شیر نظر آیا جو اپنے جنگل میں ایک گیدڑ لیے وہاں پہنچا۔ وہاں بیٹھ کر شیر گیدڑ کو کھا گیا اور جو کچھ بچ رہا اس سے لومڑی نے اپنا پیٹ بھر لیا۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی اتفاق ہوا اور اس طرح خدا نے لومڑی کے پیٹ بھرنے کا سامان پیدا کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس آدمی کو پورا یقین ہو گیا کہ جو خدا پیدا کرتا ہے وہ روزی کا انتظام بھی ضرور کر دیتا ہے۔

یہ سوچ کر وہ آدمی جنگل سے واپس آیا اور ایک گوشے میں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ وہ آزمانا چاہتا تھا کہ روزی دینے والا اسے کھانا پہنچاتا ہے یا نہیں۔ وہ وہاں بیٹھا رہا اور کوئی اس کی خبر لینے نہ آیا۔ وہ بھوک سے سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ جب اس کی کمزوری حد سے بڑھ گئی اور جسم پر کھال اور ہڈیوں کے سوا کچھ نہ رہا تو

اس کے کانوں میں آواز آئی کہ کوئی کہہ رہا ہے:۔

"اے بے وقوف! تو کمزور لومڑی بننا کیوں چاہتا ہے، طاقت ور شیر کیوں نہیں بنتا؛ شیر کی طرح اپنی روزی اپنی قوت سے حاصل کرنا چاہیے جس سے تو دوسروں کو بھی کھلا سکے۔ کمزور لومڑی کی طرح دوسرے کے بچے ہوئے کھانے پر زندگی بسر کرنا بہادری نہیں ہے۔ تجھے اپنے ہاتھ پاؤں سے کام لے کر اپنی روزی حاصل کرنا چاہیے۔ اپاہج ہو کر بیٹھ رہنا آدمیت نہیں ہے۔ خدا بھی ان ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اپنی قوت سے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں اور خود کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ جو لوگ خدا کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں وہ اس دنیا میں بھی خوش رہتے ہیں اور آخرت میں بھی خوش رہیں گے۔"

حاتم طائی کی سخاوت

کہا جاتا ہے کہ حاتم طائی کا ایک گھوڑا تھا جو دیکھنے میں بہت خوبصورت اور چلنے میں بہت تیز تھا۔ اس کی ہنہناہٹ بادل کے گرج کی طرح تھی اور اس کی چال ایسی تیز تھی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔

ایک دن روم کے بادشاہ سے اس کے وزیروں نے حاتم طائی کی سخاوت کا ذکر کیا اور اس کے گھوڑے کی تعریف بھی کی۔ بادشاہ سن کر تھوڑی دیر چپ رہا اور پھر وزیر سے کہا:۔

"ثبوت کے بغیر کوئی بات کہنا شرمندگی کا سبب ہوتا ہے۔
میں چاہتا ہوں کہ حاتم سے وہ تیز رفتار گھوڑا مانگوں۔ اگر اس نے
دے دیا تو میں سمجھوں گا کہ وہ سخی اور داتا ہے اور اگر اس نے
نہیں دیا تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ صرف خالی ڈھول کی آواز ہے"

یہ کہہ کر بادشاہ نے ایک عقلمند اور سمجھدار وزیر کی سرکردگی میں ایک وفد حاتم طائی کے پاس بھیجا۔ یہ وفد جب حاتم طائی کے پاس پہنچا تو اس

دی خوب بارش ہو رہی تھی۔ حاتم نے نہایت خوشی خوشی ان کی پذیرائی کی انہیں آرام کے ساتھ بٹھایا۔ ان کے لیے دسترخوان بچھایا اور انہیں کھانا کھلایا کھانا کھا کر سب لوگ سو گئے۔ دوسرے دن وزیر نے روم کے بادشاہ کی درخواست حاتم کے سامنے پیش کی۔ حاتم اسے سُن کر ہاتھ ملنے لگا اور افسوس کرتے ہوئے اس نے کہا:۔

"اے نیک بخت! تم نے یہ پہلے کیوں نہیں کہا۔ رات جب تم لوگ آئے تو چوں کہ بارش ہو رہی تھی اس لیے گھوڑوں کے اصطبل تک جانا ممکن نہ تھا اور میری غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ تمہارے کھانے میں گوشت نہ ہو۔ اس لیے میں نے اسی تیز رفتار گھوڑے کو ذبح کر کے تمہارے لیے کباب بنوایا۔ میری مہمان نوازی کو یہ گوارا نہ ہوا کہ مہمان کو روکھا سوکھا کھانا کھلا دوں اور گھوڑے کو ذبح نہ کروں۔"

یہ کہہ کر حاتم نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک گھوڑا دیا اور انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔ جب ان لوگوں نے روم کے بادشاہ سے جا کر پوری بات کہی تو اسے بڑا تعجب ہوا اور حاتم کی سخاوت کا قائل ہو گیا۔

حاتم کی لڑکی اور پیغمبرؐ

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب اسلام کی تبلیغ شروع کی تو قبیلہ طے کے لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت دی اور ایک خدا پر ایمان لانے کی درخواست کی لیکن ان لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ مسلمان انہیں گرفتار کرکے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لے آئے۔ چوں کہ ان کے دِلوں میں خدا کا خوف نہ تھا اور یہ خدا کے سچے دین کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے رسول خداؐ نے انہیں مار ڈالنے کا حکم دیا۔ ان قیدیوں میں ایک لڑکی بھی تھی وہ رسول خداؐ کے سامنے آئی اور کہنے لگی:۔

"میں حاتم کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ نہایت ہی سخی تھا اور لوگوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا کرتا تھا۔ اس لیے آپ بھی مجھ پر کرم کریں۔"

رسول خداؐ نے حکم دیا کہ اس کو آزاد کر دیا جائے۔ جو لوگ باقی رہ گئے

تھے انہیں قتل کی تیاری ہو رہی تھی۔ حاتم طائی کی بیٹی نے جلاد سے رو رو کر درخواست کی کہ مجھے بھی موت کے گھاٹ اتار دو۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تو قید سے رہائی پا جاؤں اور میرے ساتھی قتل ہو جائیں۔ اسی طرح وہ رو رو کر فریاد کر رہی تھی کہ رسول اکرمؐ کے کانوں میں آواز آئی۔ آپؐ نے سب لوگوں کو معاف کر دیا اور ان کی رہائی کا حکم دیا۔

احسان اور اس کا بدلہ

ایک بار ایک جوان نے ایک بوڑھے آدمی پر مہربانی کی اور ایک چھدام (معمولی رقم) سے اس کی مدد کی۔ کچھ دنوں کے بعد وہ جوان ایک جُرم میں گرفتار ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کے مار ڈالنے کا فرمان جاری کیا اور لوگ اسے پکڑ کر پھانسی کی طرف لے چلے۔ جب بوڑھے فقیر نے اسے مصیبت میں دیکھا تو اس کے لیے اسے بڑا دُکھ ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس طرح اسے آزاد کرائے۔ آخر اس نے ایک ترکیب سوچی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو مَلتے ہوئے لوگوں کے پاس گیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ بادشاہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ سنتے ہی سب لوگ پریشان ہو اٹھے اور سر کے بَل دربار کی طرف دوڑے وہاں جا کر دیکھا کہ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے۔ اس ہنگامے میں جوان وہاں سے رفو چکر ہو چکا تھا۔ لوگوں نے بوڑھے کو گرفتار کیا اور بادشاہ کے پاس لے جا کر سارا ماجرا کہا۔ بادشاہ بہت خفا ہوا اور غصے سے پوچھا۔

" تو نے میرے مرنے کی تمنّا کیوں کی۔ میں تو لوگوں کے ساتھ بھلائی

اور انصاف کرتا ہوں۔ آخر تو نے کیا سمجھ کر لوگوں کی بُرائی چاہی؟"

"عالی جاہ!" بوڑھے نے عرض کیا "ساری دنیا پر آپ کا حکم چلتا ہے۔ میرے یہ جھوٹ کہنے سے کہ بادشاہ کی موت ہو گئی آپ کو موت نہ آئی اور جوان بے چارہ موت سے بچ گیا"

بادشاہ اس بات سے خوش ہوا اور اسے معاف کر دیا۔

دوسری طرف وہ جوان گرتا پڑتا بھاگا جا رہا تھا کہ کسی نے اس سے پوچھا کہ تم جان بچا کر کس طرح بھاگے اس نے جواب دیا کہ ایک چھدام نے میری جان بچائی۔

پہ سچ ہے کہ بخشش اور خیرات مصیبتوں کو ٹالتی ہے۔

بایزید بسطامی اور راکھ

مشہور بزرگ بایزید بسطامی ایک بار عید کے دن صبح کے وقت حمام سے غسل کر کے چلے آ رہے تھے۔ راستے میں غلطی سے کسی نے راکھ پھینکی جو ان کے سر پر پڑی۔ انھیں غصہ تو بہت آیا کیوں کہ کپڑا خراب ہو چکا تھا لیکن فوراً ہی انہوں نے اپنے آپ کو قابو میں کیا اور سوچا میں نے دنیا میں جو کام کیے ہیں اُن کے نتیجے میں آگ میں جلائے جانے کے قابل ہوں۔ پھر مجھے راکھ کی وجہ سے کیوں ناراض ہونا چاہیے۔

سچ ہے جو لوگ نیک ہوتے ہیں وہ دوسروں کی غلطی کو بھی غلطی نہیں سمجھتے اور خود اُس کی ذمہ داری لے لیتے ہیں۔

شہد بیچنے والا

ایک آدمی گھوم گھوم کر شہد بیچا کرتا تھا۔ وہ بڑا ہنس مکھ اور خوش مزاج تھا۔ ہر خریدار کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے پاس خریداروں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ اس کے میٹھے بول کا یہ اثر تھا کہ اگر وہ شہد کی جگہ پر زہر بھی دے دیتا تو لوگ اسے شہد سمجھتے۔

اس کی یہ مقبولیت دیکھ کر ایک تنگ نظر اس سے جلنے لگا اور اس نے بھی شہد بیچنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ سر پر شہد کا مٹکا لے کر شہد بیچنے نکلا مگر چوں کہ وہ بد مزاج تھا اور بات بات پر غصہ ہونا اس کی فطرت تھی اس لیے ایک خریدار بھی اس کے پاس نہ آیا۔ وہ رات کو بہت ہی مایوس گھر آیا۔ جب اس کی بیوی نے اس کی مایوسی دیکھی تو ہنستے ہوئے کہا:۔

"جو بد مزاج ہوتا ہے اس کا شہد بھی کڑوا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی خریدار نہیں آیا۔"

کُتّا اور فقیر

فقیر کا ایک گروہ کسی جنگل سے گزر رہا تھا۔ ان میں سے ایک بوڑھے فقیر کو ایک کتّے نے اتنے غصّے سے کاٹا کہ اس کے دانت سے خون ٹپکنے لگا۔ اس تکلیف سے وہ رات بھر سو نہ سکا۔ فقیروں کے گروہ میں ایک چھوٹی لڑکی بھی تھی۔ جب اس نے بوڑھے فقیر کا یہ حال دیکھا تو غصّہ ہو کر بولی:۔

"بابا! آخر تم نے اس کتّے کو کیوں نہیں کاٹا۔ کیا تمہارے دانت نہیں تھے"

"دانت تو تھے بیٹی!"، بوڑھا فقیر اس کی بات پر ہنس کر بولا، "لیکن میں نے اپنے دانت اور حلق کو محفوظ رکھا۔ کیونکہ آدمی کبھی کتّا نہیں بن سکتا"

نیک مالک اور نافرمان غلام

کہیں بزرگ تھے جو اپنی بزرگی، علم اور ہنر میں ساری دنیا میں مشہور تھے۔ ان کا ایک نوکر تھا جو بڑا بداخلاق اور نافرمان تھا۔ روکھا پن اور بدمزاجی اس کی فطرت تھی۔ وہ اپنے مالک کی کوئی بات نہیں سنتا تھا اور کسی کام میں دل نہیں لگاتا تھا۔ کھانا پکانے سے ناک بھوں چڑھاتا لیکن جب کھانا تیار ہو جاتا تو مالک کے ساتھ دسترخوان پر کھانے کے لیے بیٹھ جاتا تھا۔ وہ اس قدر کاہل اور سست تھا کہ اٹھ کر خود پانی بھی نہیں پیتا تھا اور دوسروں کو پانی پلانے سے مر جانا اچھا سمجھتا تھا۔ مالک نے اسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن کسی بات کا اس پر اثر نہ ہوا۔ مار پیٹ سے بھی اس نے اپنی چال نہیں بدلی۔ اسے کام کرنے کا سلیقہ بھی نہ تھا۔ کبھی راستے میں گھانس اور گرد و غبار پھینک دیتا اور کبھی مرغیوں کو کنویں میں ڈال دیا کرتا تھا۔ اگر کسی کام کے لیے بھیجا جاتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے واپس ہی نہیں آئے گا۔ بزرگ اس کی یہ حالت دیکھتے اور خاموش رہتے لیکن دوسرے لوگ برا بر اُن سے کہتے تھے۔

"اس میں کوئی بھی اچھائی نہیں۔ یہ اس قابل نہیں کہ اسے
برداشت کیا جائے۔ نہ تو اس میں ادب ہے نہ کوئی ہنر اور نہ کوئی
خوبی۔ ہم لوگ آپ کے لیے اس سے اچھا غلام لا دیں گے۔"

وہ بزرگ ان کی باتیں سنا کرتے اور ہنس کر ٹال دیا کرتے تھے۔ ایک دن
جب لوگوں نے انہیں بہت مجبور کیا تو ہنستے ہوئے وہ بولے:۔

"اگرچہ اس لڑکے میں کوئی خوبی نہیں ہے اور مجھے اس سے کوئی آرام
بھی نہیں لیکن یہ اتنے دنوں میرے ساتھ رہا ہے کہ اس سے اُنس
ہوگیا ہے۔ میں اس کو برداشت کرنے کا عادی ہوگیا ہوں۔ میری مروّت
اسے گوارا نہیں کرتی کہ میں اسے بیچ دوں کیوں کہ یہ جہاں بھی جائے
گا ایسا ہی کرے گا اور لوگ اسے بُرا بھلا کہیں گے۔ مناسب نہیں ہے کہ
جسے میں خود پسند نہیں کرتا وہ دوسرے کے سر تھوپ دوں۔"

مغرور نجومی

کسی ملک میں ایک نجومی تھا۔ وہ ستاروں کا علم تو کم جانتا تھا لیکن اس علم کا غرور اس کو بہت تھا۔ اسی زمانے میں ایک بہت مشہور نجومی تھے۔ ان کا نام ''کوشیار'' تھا۔ وہ شیخ بوعلی سینا کے استاد تھے۔ وہ نجومی لمبا راستہ طے کر کے کوشیار کے پاس پہنچا۔ اس کے دل میں تو کچھ سیکھنے کی خواہش تھی لیکن سر میں غرور بھرا تھا۔ جب کوشیار نے اسے دیکھا تو اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کچھ سیکھ نہیں سکا اور علم سے بالکل بے بہرہ رہا۔ جب اس نے واپسی کا ارادہ کیا تو اس عقل مند نجومی کوشیار نے اس سے کہا:۔

''اپنے بارے میں تمہارا گمان ہے کہ تم سب سے زیادہ عقل رکھتے ہو۔ پھر تم کیسے کچھ سیکھ سکتے ہو؟ کیوں کہ تمہارا سر تو غرور سے بھرا ہوا ہے اس میں علم کے لیے جگہ کہاں ہے؟ جب تم اپنی ہستی کو گم کر دو گے تب تمہارے دماغ میں علم کے لیے جگہ ہو سکتی ہے۔''

بزرگ اور کتا

کسی ویرانے میں ایک خدا رسیدہ بزرگ رہتے تھے وہ معمولی پھٹے پرانے کپڑے پہن کر زندگی گزارتے تھے ۔ ایک دن اس جنگل سے، جہاں وہ بزرگ رہتے تھے، ایک شخص نے کتّے کے بھونکنے کی آواز سُنی ۔ اُس نے اپنے دِل میں کہا کہ یہاں کُتّا کہاں سے آگیا ۔ وہ یہ دیکھنے کے لیے وہاں پہنچا ۔ اِدھر اُدھر کہیں کُتّا نظر نہ آیا ۔ سوائے بزرگ کے وہاں کوئی دکھائی نہ دیا ۔ اسے پوچھنے میں شرمندگی محسوس ہوئی اور وہاں سے واپس ہونے لگا۔ بزرگ نے پاؤں کی آہٹ سُن لی اور پکار کر کہا ۔

"دروازے پر کیوں کھڑے ہو ؟ اندر آؤ ۔ تم کو حیرت ہو رہی ہے کہ یہاں کوئی کُتّا نہیں ہے پھر تمھارے کانوں میں کُتّے کی آواز کہاں سے آئی ۔ چوں کہ خدائے تعالیٰ غرور سے نفرت کرتا ہے اور انکساری کو پسند کرتا ہے اس لیے میں نے اپنے سر سے غرور کے بوجھ کو اتار پھینکا ۔ اور خدا کے دروازے پر کُتّے کی طرح

گڑگڑانے لگا کیوں کہ کتے سے زیادہ عاجز مجھے اور کوئی نظر نہ آیا۔
اگر تم چاہتے ہو کہ بلندی پر پہنچو تو اس کے لیے عاجزی کے زینے کو
اپناؤ۔ جو سر اٹھائے رہتے ہیں وہ زمین پر گرتے ہیں اور جن کا
سر شبنم کی طرح زمین پر رہتا ہے وہ ستاروں کی طرح بلندی
پر پہنچ جاتے ہیں ؎

گستاخ فقیر

کسی زمانے میں شام میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام صالح تھا۔ ایک دن وہ صبح کے وقت عرب کے رواج کے مطابق ایک غلام کے ساتھ باہر نکلا۔ وہ اپنے آدھے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا تاکہ اسے کوئی پہچان نہ لے۔ بازار اور گلیوں سے وہ گزر رہا تھا تاکہ وہ اپنے لوگوں کی حالت خود اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ گھومتا ہوا وہ ایک مسجد میں پہنچا جہاں دیکھا کہ دو فقیر سوئے ہوئے ہیں۔ ٹھنڈ کی وجہ سے انھیں نیند نہیں آرہی تھی اور وہ پریشان حال وہاں پڑے تھے۔ ایک فقیر دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

"ہمارا انصاف قیامت کے دن ہوگا۔ بادشاہ کو ہماری ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ اگر اس طرح کے بادشاہ ہم فقیروں کے ساتھ بہشت میں جائیں گے تو میں قبر سے اٹھ کر بہشت میں جانا گوارا نہ کروں گا۔ آج ہم دنیا میں تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ یہ ہمارا حق ہے کہ کل ہم جنّت میں جائیں۔ اگر صالح بادشاہ بھی بہشت کی دیوار کے

پاس آئے گا تو میں اس کا سر پھاڑ دوں گا۔"

صالح ان کی بات سنتا رہا اور مصلحت نہ سمجھا کہ اُن کے پاس جائے۔ وہ واپس چلا آیا اور جب شام ہو گئی تو ان دونوں فقیروں کو بلوا بھیجا۔ جب وہ آ گئے تو انہیں بڑی عزت سے بٹھایا۔ کھانا کھلایا اور انعام واکرام سے نوازا۔ اب انہیں نہ ٹھنڈک کی فکر تھی اور نہ بارش اور سیلاب کا ڈر۔ مزے سے فوجی افسروں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔ جب اِن کے دِل سے بادشاہ کا ڈر کچھ کم ہُوا تو اُن میں سے ایک نے بادشاہ سے پوچھا:۔

"ہماری کون سی ادا آپ کو پسند آئی جو آپ نے ہمارے ساتھ یہ کرم فرمایا؟"

بادشاہ مسکرایا اور کہنے لگا:۔

"میں ایسا بادشاہ نہیں ہوں جو تخت وسلطنت کے غرور میں اپنی رعایا کو بھول جاؤں۔ میں اپنے ملک کے لوگوں کی دیکھ بھال کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں۔ میں نے تم دونوں کی گفتگو سن لی تھی۔ میں نہیں چاہتا کہ میں تم دونوں کے ساتھ بہشت میں نہ جاؤں۔ میں نے آج تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تاکہ کل تم میرے لیے بہشت کا دروازہ بند نہ کروادو۔ مجھے معلوم ہے کہ عوام کے ساتھ بھلائی کیئے بغیر

کوئی بہشت میں نہیں جاسکتا۔ اسی لیے میں نے کوشش کی کہ تم دونوں کی غلط فہمی دور کردوں؟

وہ دونوں اپنی گستاخی پر شرمندہ ہوئے اور صالح کی بڑائی اور نیکی کا اقرار دِل سے کرنے لگے۔

زاہد اور چور

ہارون رشید بغداد کا ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے اس کی بیوی زبیدہ نے ایک خوب صورت شہر بسایا تھا جس کا نام تبریز ہے۔ تبریز میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ وہ دن رات خدا کی یاد میں لگے رہتے تھے۔ ایک رات انہوں نے دیکھا کہ ایک چور ایک رستے کے ذریعہ ان کی چھت پر چلا آرہا ہے ,, چور، چور،، کہہ کر انہوں نے شور مچایا اور ہر طرف سے لوگ لکڑی اور ڈنڈے لے کر دوڑ پڑے۔ جب چور نے لوگوں کی آواز سُنی تو وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور بھاگ کھڑا ہوا۔

بزرگ بہت ہی نیک دِل اور پرہیزگار تھے چور کو خالی ہاتھ جاتے ہوئے دیکھ کر ان کا دِل پسیج گیا۔ فوراً دوسرے دروازے سے وہ گھر سے نکلے اور چور کے سامنے پہنچ گئے اور پوچھا:۔

,, کیوں بھاگے جارہے ہو؟ میں تمہارا دوست ہوں۔ تم بہت دلیر معلوم ہوتے ہو۔ تم جیسا بہادر میں نے اور کوئی نہیں

دیکھا۔ تمھاری بہادری کی وجہ سے میں تمھارا غلام ہوگیا ہوں
اگر تمھاری رائے ہو تو تمہیں ایک ایسی جگہ بتاؤں جہاں آسانی
سے چوری ہوسکتی ہے۔ مکان زیادہ اونچا نہیں ہے اور مکان کا
مالک بھی وہاں موجود نہیں ہے اوپر نیچے اینٹیں رکھ کر اور پھر
ایک دوسرے کے کاندھے پر چڑھ کر آسانی سے ہم اس گھر مین اتر
جائیں گے اس طرح وہاں سے بہت کچھ ہاتھ لگ سکتا ہے اور تمہیں
خالی ہاتھ واپس نہ جانا پڑے گا؛"

یہ کہہ کر بزرگ رات کی تاریکی میں اسے خود اپنے پاس لے آئے اور چور
کے کاندھے پر چڑھ کر اپنے گھر میں اُتر گئے اور ادھر سے کُرتا پگڑی اور جو سامان
ہاتھ لگا چور کے دامن میں ڈال دیا اور جب سامان چور کے حوالے کر چکے تو
پھر شور مچانے لگے "چور آیا، چور آیا"، چور یہ سنتے ہی کپڑے اور سامان لے کر
رفوچکر ہوگیا تب بزرگ نے اطمینان کا سانس لیا کہ ایک غریب چور کو نا امید
واپس نہ جانا پڑا۔

حکیم لقمان اور مزدوری

لقمان ایک بہت مشہور عقل مند بزرگ گزرے ہیں ان کی شکل وصورت
اچھی نہ تھی اور رنگ کالا تھا ایک بار یہ بغداد پہنچے۔ وہاں کوئی امیر آدمی ایک
عمارت بنوا رہا تھا۔ اتفاق سے اس امیر آدمی کا نوکر بھاگ گیا تھا اور وہ بھی
کالا تھا۔ اس نے حکیم لقمان کو اپنا نوکر سمجھ لیا اور انہیں اپنا مکان بنانے پر لگا
دیا۔ لقمان بھی نہایت جی لگا کر کام کرنے لگے۔ دن بھر گارا اور اینٹیں ڈھوتے
رہتے۔ یہاں تک کہ مکان بن کر تیار ہو گیا خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ان ہی دنوں اس
امیر آدمی کا اصلی نوکر واپس آگیا۔ تب تو وہ بہت ڈرا اور ان سے پوچھا۔

"آپ کون ہیں ؟"

جب اسے معلوم ہوا کہ یہ مشہور حکیم لقمان ہیں تو بڑا شرمندہ ہوا اور ان
کے پاؤں پر گر پڑا کہ مجھے معاف کر دیجیے لقمان نے مسکراتے ہوئے کہا
"اب معافی کی کیا ضرورت ہے۔ جو محنت میں نے کی ہے اسے
کیسے بھول سکتا ہوں لیکن خیر میں تمہیں معاف کرتا ہوں کیونکہ میرے

کام سے تمہیں فائدہ پہنچا اور مجھے کچھ نقصان نہ ہوا. تمہاری عمارت تیار ہوگئی اور میرے تجربے اور عقل میں اضافہ ہوا۔ میرا بھی ایک غلام ہے جو میرے ہر طرح کے کام کرتا ہے کبھی کبھی میں اس پر سختی بھی کرتا ہوں اب میں خود محنت مزدوری کر چکا ہوں اور سخت کام کا تجربہ ہو چکا ہے تو اپنے نوکر پر بھی مہربانی کروں گا۔"

حضرت علیؓ اور ان کی انکساری

حضرت علی اسلام کے مشہور خلیفہ گزرے ہیں۔ وہ بڑے بہادر تھے۔ ساتھ ہی ساتھ علم اور عقل میں بھی ان کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنے مشکل مسئلے ان کے پاس حل کرانے کے لیے لے جاتے تھے چنانچہ ایک بار ایک شخص اپنی مشکل لے کر حضرت علیؓ کے پاس پہنچا آپ نے نہایت توجہ سے اس کی باتیں سنیں اور اپنی سمجھ بوجھ سے اسے مناسب جواب دیا۔ اسی مجلس میں ایک اور شخص بیٹھے تھے۔ انھوں نے حضرت علیؓ کا جواب سُن کر کہا کہ جواب ٹھیک نہیں ہے حضرت علیؓ یہ سن کر ذرا بھی ناخوش نہ ہوئے بلکہ مسکراتے ہوئے کہا:۔

"اگر تم اس سے اچھا حل جانتے ہو تو بیان کرو"

اس کی سمجھ میں جو آیا اس نے بیان کیا۔ اس کا جواب حضرت علیؓ کو بھی پسند آیا اور انہوں نے بلا جھجک اقرار کر لیا کہ وہ غلطی پر تھے اور اس آدمی کا جواب صحیح ہے۔

انھوں نے فرمایا:۔

"اس آدمی نے مجھ سے زیادہ عقل کی بات کہی۔ مجھے اسے ماننے میں ذرا بھی جھجھک نہیں کیوں کہ حقیقت میں سب سے بڑا جاننے والا خدا ہے اس کے علم سے بڑھ کر کسی کا علم نہیں"

حضرت علیؓ کا مقام بہت بلند تھا لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی غلطی کو مان لیا۔ یہ بڑائی کی نشانی ہے۔ اگر ان کی جگہ پر کوئی مغرور بادشاہ ہوتا تو فوراً اس شخص کو دربار سے نکال باہر کرتا اور بڑوں کے سامنے زبان کھولنے کی سزا دیتا۔ جس کے سر میں غرور کا سودا ہوتا ہے وہ حق بات بھی سننا پسند نہیں کرتا۔ ایسے آدمی کی مثال اس پتھر کی سی ہے جس پر پھول کے پودے نہیں اُگ سکتے۔

حضرت عمرؓ اور فقیر

حضرت عمرؓ رسول خداؐ کے مشہور ساتھیوں میں سے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد یہ مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے۔ ان کے زمانے میں اسلام دور دُور تک پھیلا لیکن یہ بہت سادہ زندگی گذارتے تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ کہیں سے گزر رہے تھے۔ راستہ بہت تنگ تھا۔ اتفاق سے ایک فقیر کے پاؤں پر ان کا پاؤں پڑ گیا فقیر بلبلا اٹھا۔ اس نے حضرت عمرؓ کو نہیں پہچانا اور کہنے لگا:۔

"تم اندھے معلوم ہوتے ہو جو راستہ دیکھ کر نہیں چلتے۔"

"میں اندھا نہیں ہوں"، حضرت عمرؓ نے نرمی سے کہا۔ "لیکن مجھ سے غلطی ہو گئی میں تمہارا پاؤں نہ دیکھ سکا اور میرا پاؤں اس پر پڑ گیا۔ مجھے اس غلطی کے لیے معاف کر دو۔"

سچ ہے جن کے دِل میں خدا کا ڈر ہوتا ہے وہ کمزوروں پر ظلم نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو معافی مانگ لیتے ہیں وہ ذرا بھی غرور اور گھمنڈ سے کام نہیں لیتے کیونکہ پھل سے لدی ہوئی ڈالی ہمیشہ زمین پر رہتی ہے۔

ذوالنون مصری اور بارش

مصر میں ایک بزرگ رہتے تھے ایک بار یہ کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ کشتی پر جو لوگ سوار تھے اُن میں سے کسی نے اُن پر ایک موتی چرانے کا الزام لگایا بزرگ بڑے پریشان ہوئے اور خدا کے دربار میں دعا کی۔

''اے خدا! تو ان لوگوں پر میری سچائی ثابت کر دے!''

ان کی دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ سمندر کی مچھلیاں اپنے منہ میں موتی لیے نظر آئیں بزرگ نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی لے کر الزام لگانے والے کو دے دیا وہ بڑا شرمندہ ہُوا اور اُسی دن سے بزرگ کا لقب ''ذوالنون'' یعنی مچھلی والا ہوگیا۔

ایک بار مصر میں بارش نہ ہوئی تالاب اور کنویں سب خشک ہوگئے۔ قحط اور خشک سالی کے ڈر سے لوگ پریشان ہوگئے اور پہاڑ پر جا کر بارش کے لیے نماز پڑھی اور دعا کی۔ کچھ لوگ حضرت ذوالنون مصری کے پاس بھی پہنچے اور بارش کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی کیوں کہ جو لوگ خدا کے نیک بندے

ہوتے ہیں ان کی دعا قبول ہوا کرتی ہے۔

اس وقت ذوالنون نے کوئی جواب نہ دیا لیکن دوسرے دن ایک دوسرے شہر مدین چلے گئے۔ انہیں گئے زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ مصر میں خوب بارش ہوئی اور ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ یہ خبر حضرت ذوالنون مصری کو بھی مدین میں ملی۔ یہ سنتے ہی وہ مصر واپس آگئے۔

ایک آدمی ذوالنون مصری کے گھر پہنچا اور رازداری سے پوچھا کہ آخر آپ یہاں سے کیوں چلے گئے۔ اس میں کیا بات تھی۔ ذوالنون مصری کچھ دیر چپ رہے۔ پھر بولے:۔

"میں نے سنا تھا کہ گناہ گاروں کے گناہ کی وجہ سے خدا کی مخلوقات یعنی انسان، حیوان، چڑیا اور کیڑے مکوڑے کی روزی تنگ ہوتی ہے۔ جب لوگ میرے پاس بارش کی دعا کے لیے آئے تو میں نے بہت غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس شہر میں مجھ سے زیادہ گناہ گار اور کوئی نہیں ہے۔ اسی لیے میں نے یہ شہر چھوڑ دیا کہ کہیں میرے گناہ کی وجہ سے یہاں کے بسنے والوں پر روزی کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔"

وہ آدمی یہ سن کر اچنبھے میں پڑ گیا اور ذوالنون مصری کی بزرگی کا اور زیادہ قائل ہو گیا وہی شخص لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتا ہے جو خود

کو خاکسار سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کو اس دنیا میں اور آخرت میں بھی بڑائی نصیب ہوتی ہے۔

اردبیل کا پہلوان

آذربائی جان کے علاقے میں ایک شہر تھا۔ جس کا نام اردبیل تھا۔ وہاں ایک مشہور پہلوان رہا کرتا تھا۔ اسے اپنی قوت اور طاقت پر بڑا ناز تھا۔ جب وہ تیر چلاتا تھا تو ٹھیک نشانے پر بیٹھتا تھا۔ ایک بار ایک لڑائی میں ایک معمولی آدمی مقابلے کے لیے اس کے سامنے آگیا۔ وہ معمولی نمدے (ادنی کپڑا) کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ وہ جوان لڑائی کے فن سے واقف تھا۔ اس پہلوان نے اس جوان کی طرف تیر پر تیر چلائے لیکن ایک تیر بھی نمدے کو چیر کر آگے نہ جاسکا۔ یہ دیکھ کر پہلوان نے ہار مان لی اور اس جوان نے آگے بڑھ کر اسے گرفتار کرلیا۔ جوان اسے اپنے لشکر میں لایا اور خونی چور کی طرح اس کے ہاتھ اس کی گردن میں باندھ کر اپنے خیمے کے دروازے پر ڈال دیا۔

وہ پہلوان رات بھر شرمندگی سے نہ سوسکا۔ صبح کے وقت ایک نوکر نے اس سے پوچھا:۔

"تم ایسے بہادر ہو کہ تیر سے لوہے کو چھید کر دیتے ہو پھر کیا

بات ہوئی کہ اس عہدے کا لباس پہننے والے جوان نے تمہیں گرفتار کر لیا اور یہاں لے آیا۔"

پہلوان سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ بہادری میں میرا کوئی جواب نہ تھا۔ میں بڑے بڑے پہلوانوں کو بھی لڑائی کا فن سکھاتا تھا لیکن جب موت آجاتی ہے تو پھر سارا ہنر دھرا رہ جاتا ہے۔ اگر موت آگئی تو پھر نیزہ زرہ کو بھی چاک کر دیتا ہے اور اگر موت نہ آئی ہو تو معمولی کپڑے کو بھی پھاڑ نہیں سکتا۔"

گِدھ اور چیل

ایک دن ایک گِدھ اور ایک چیل میں باتیں ہونے لگیں گِدھ نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا:۔

"مجھ سے زیادہ دور کی چیز دیکھنے والا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ میری آنکھیں سینکڑوں میل کی چیز دیکھ لیتی ہیں۔ اس وقت میں خشکی پر گیہوں کا ایک دانہ دیکھ رہا ہوں۔ تجھے یقین آئے یا نہ آئے لیکن یہ حقیقت ہے"

چیل کو گِدھ کی اس بات پر بڑا اچنبھا ہوا اور اس نے سوچا کہ گِدھ کے اس دعوے کو آزمانا چاہیے۔ چنانچہ دونوں زمین پر اترے۔ جیسے ہی گِدھ دانے کے قریب پہنچا وہ جال میں پھنس گیا۔ اس نے یہ محسوس نہ کیا کہ گیہوں کا ایک دانہ کھانے سے وہ جال میں پھنس جائے گا۔ چیل نے یہ دیکھ کر اس کی ہنسی اڑاتے ہوئے کہا۔

"اس طرح سینکڑوں میل دور سے گیہوں کا دانہ دیکھ لینے سے کیا فائدہ جب تم دشمن کا بچھا ہوا جال نہ دیکھ سکے۔"

حاجی اور ہاتھی دانت کا کنگھا

کہا جاتا ہے کہ ایک حاجی جب حج سے واپس آیا تو اس نے ہاتھی دانت کا ایک کنگھا ایک آدمی کو دیا۔ اس حاجی نے ایک بار غصّے میں اسے کُتّا کہا تھا۔ اس آدمی کو حاجی کی یہ بات یاد تھی۔ اس نے کنگھا حاجی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا:۔

"یہ ہڈی کسی دوسرے کُتّے کو دینا۔ میں نہیں چاہتا کہ پھر تُو مجھے کُتّا کہے۔ جب میرے لیے میری اپنی چیز کافی ہے تو پھر میں دوسروں کی سختی کیوں برداشت کروں۔ اگر تو صبر سے کام لے تو میری نگاہ میں بادشاہ اور فقیر ایک ہوں گے اور تجھے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ ہو گی لیکن اگر تو خواہشات کا روگ پالے گا تو ہر دروازے پر ہاتھ پھیلانے کے لیے جانا پڑے گا۔"

ایک لالچی اور خوارزم شاہ

کہا جاتا ہے کہ شہر خوارزم کا بادشاہ بہت انصاف پسند تھا۔ اس کے دل میں خدا کا ڈر تھا اور وہ سب لوگوں کے ساتھ بھلائی کیا کرتا تھا۔ ایک بار ایک لالچی آدمی اس کے پاس صبح سویرے پہنچا۔ جیسے ہی لالچی آدمی نے بادشاہ کو دیکھا ڈھیر ہو گیا اور اس کے پاؤں پر اپنا سر رکھ کر اپنی درخواست پیش کی بادشاہ نے اس کی بات سن کر کہا :۔

"تم نے جو کچھ کہا وہ میں نے مان لیا لیکن ایک بات میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے تو کہا تھا کہ عرب کی سرزمین قبلہ ہے اور اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا چاہیے۔ آج تم نے درخواست کے لیے میری طرف رخ کیا۔ اگر تم اسی طرح خواہشات کے غلام بنے رہے تو ہر گھڑی تم کو اپنا قبلہ بدلنا پڑے گا۔ جو شخص صبر سے کام لیتا ہے وہ سر اونچا کر کے چلتا ہے اور جس سر میں لالچ ہوتا ہے وہ کبھی اونچا نہیں ہو سکتا۔"

ایک بزرگ اور شکر

ایک بار کسی بزرگ کو بخار آگیا۔ ایک آدمی ان کی تیمارداری کے لیے آیا اور انہیں دیکھ کر کہا کہ آپ کو گل قند (گلاب کے پھول اور شکر کو ملا کر دوا بنائی جاتی ہے) کی ضرورت ہے۔ اس سے آپ کی بیماری دور ہو جائے گی۔ بزرگ نے جواب دیا۔

"میں گل قند کہاں سے لاؤں گا؟"

اس آدمی نے مشورہ دیا کہ فلاں شخص سے منگوا لیجیے۔ بزرگ اس پر راضی نہ ہوئے اور کہا:۔

"کسی بدمزاج کے آگے ہاتھ پھیلانے سے موت کی تلخی کو چکھنا زیادہ بہتر ہے۔ انسان کو ہر اس چیز کے پیچھے نہیں دوڑنا چاہیے جس کا جی اسے چاہے کیونکہ اس طرح روح کی روشنی جاتی رہتی ہے۔ خواہشات کی وجہ سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ جو انسان پیٹ کا غلام ہوتا ہے اسے ہمیشہ شرمندگی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور اس کا دل ایمان کی روشنی سے خالی ہو جاتا ہے۔"

پیٹو اور کھجور

بصرہ عراق کا مشہور شہر ہے۔ جہاں کھجوریں بہت ہوتی ہیں۔ ایک دن کئی آدمی کھجوروں کے ایک باغ سے گزر رہے۔ ان میں سے ایک آدمی بڑا پیٹو تھا اور اپنی اس عادت کی وجہ سے بارہا ذلیل ہو چکا تھا۔ کھجوروں کو دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور جھٹ درخت پر چڑھ گیا مگر درخت پر سنبھل نہ سکا اور سر کے بل زمین پر گر پڑا۔ گرتے ہی اس کی جان نکل گئی۔

اتنے میں باغ کا مالک بھی وہاں آ پہنچا اور اس نے سختی سے پوچھا کہ اسے کس نے مار ڈالا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے ساتھیوں نے دشمنی کی وجہ سے اس کا کام تمام کر دیا ہے ان لوگوں نے جواب دیا:

"اس کے پیٹ نے اسے اس حالت کو پہنچایا۔ یہ کھجوروں کے لالچ میں درخت پر چڑھ گیا اور گر پڑا کیوں کہ جس کی آنتیں پھیلی ہوتی ہیں وہ ہمیشہ رنجیدہ رہتا ہے۔ یہ پیٹ کا غلام تھا اور ایسے آدمی کا پیٹ مرنے کے بعد ہی بھرتا ہے۔"

امیر ختن اور ریشمی کپڑا

ترکستان کا ایک علاقہ ختن کہلاتا ہے ۔ ایک بار وہاں کے بادشاہ نے ایک بزرگ کو ریشمی لباس بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اسے قبول کر لیں اور اپنے استعمال میں لائیں. بزرگ نے بادشاہ کی خواہش کے مطابق اس لباس کو پہن لیا اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد اس پر اپنی گدڑی پہنی اور کہلا بھیجا۔

"بادشاہ نے جو لباس بھیجا ہے وہ بہت ہی اچھا اور قیمتی ہے لیکن میرا اپنا لباس اس سے زیادہ اچھا ہے ۔ اگر انسان آزاد رہ کر زمین پر سوئے تو اس سے زیادہ اچھا ہے کہ وہ قالین کے لیے کسی کی خوشامد کرے "

محنت کی بڑائی

کہیں ایک غریب آدمی تھا۔ وہ روکھی سوکھی کھا کر اپنی زندگی گزارتا تھا۔
ایک دن ایک شخص نے دیکھا کہ سالن کے نام پر اس کے کھانے میں صرف پیاز تھا، دوسرے لوگوں کی طرح مختلف طرح کی نعمتیں نہ تھیں۔ اس نے اس غریب آدمی سے کہا کہ فلاں جگہ تو لنگر بٹ رہا ہے تم وہاں سے جا کر سالن کیوں نہیں لے آتے اس میں شرم کی کوئی بات نہیں ہے اور جو شرم سے کام لیتا ہے وہ بھوکا رہ جاتا ہے۔ یہ سن کر اس غریب آدمی نے بھی سوچا کہ یہ تو ٹھیک ہی کہہ رہا ہے کہ سالن لے آنے میں کیا برائی ہے۔ یہ سوچ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور لنگر کا کھانا لینے کے لیے پہنچ گیا۔ لیکن وہاں اس قدر بھیڑ تھی کہ کھانا لینے میں اس کا لباس پھٹ گیا اور ہاتھ میں چوٹ بھی آئی۔ وہاں سے واپس آ کر وہ بہت رو دیا اور سوچتا رہا کہ اپنے کیے کا علاج کیا ہے۔
سچ ہے کہ محنت و مشقت سے حاصل کی ہوئی جو روکھی سوکھی روٹی دوسروں کی قسم قسم کی نعمتوں سے زیادہ اچھی ہے۔

بلند ہمّت عورت

ایک غریب آدمی کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب وہ کچھ بڑا ہوا اور اس کے دانت نکل آئے تو باپ کو فکر ہوئی کہ ہم دونوں میاں بیوی ہی کا پیٹ بھرنا مشکل ہے اب اس بچے کے کھانے پینے کا کیا انتظام ہوگا۔ اس نے اپنی بیوی سے بھی اس کا ذکر کیا تو اس نے شوہر کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا:

"اس قدر گھبرانے اور پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جس نے بچے کو دانت دیے ہیں وہی اس کی روٹی کا بھی انتظام کرے گا جو خدا ماں کے پیٹ میں بچے کی شکل و صورت بناتا ہے وہی اس کی زندگی اور روزی کا انتظام بھی کرتا ہے۔ انسان کو قناعت سے کام لینا چاہیے اور خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ وہ فقیر جسے کوئی فکر نہیں ہے اس بادشاہ سے زیادہ خوش ہے جو پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک غریب کسان اپنے بال بچوں کے ساتھ معمولی جھونپڑی میں آرام کی نیند سوتا ہے اور بادشاہ محل میں گدّی میٹھی نیند کو ترستا ہے"

بادشاہ اور بھید

کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا نام تکش تھا۔ اس نے ایک بار اپنے
غلاموں سے اپنا ایک بھید بیان کیا اور تاکید کی کہ کسی دوسرے سے اس کا ذکر نہ کرنا
کچھ دنوں تو غلام خاموش رہے اور یہ بھید ان کے دِل سے زبان پر نہ آیا۔ لیکن
ایک دن ایسا ہوا کہ ایک غلام نے کسی سے اس کا ذِکر کر دیا پھر کیا تھا۔ دیکھتے ہی
دیکھتے یہ بھید ہر شخص کی زبان پر تھا۔ بادشاہ کو جب اِس کی خبر ہوئی تو اُس کو
بڑا غصہ آیا۔ اُس نے غلاموں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب غلام آگئے تو بادشاہ
نے جلاد کو حکم دیا کہ ان کے سر قلم کر دو بادشاہ کا یہ حُکم سُن کر ان کے چہروں پر
ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ لیکن ان میں سے ایک نے اپنے حواس درست کر کے بادشاہ
سے جان کی امان چاہی اور عرض کیا:۔

"یہ غلام تو بے قصور ہیں۔ غلطی تو آپ سے ہوئی ہے۔ آپ کو یہ
بھید اِن سے بیان کرنا ہی نہیں چاہیے تھا کیوں کہ جب بند ٹوٹ جاتا
ہے تو سیلاب کے پانی کو روکنا ممکن نہیں ہوتا۔ جب تک بات کسی

سے کہی نہیں جاتی اس وقت تک انسان اس پر قابو رکھتا ہے لیکن
جب بات کہہ دی جاتی ہے تو وہ قابو سے باہر ہو جاتی ہے اس لیے اپنا
بھید کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر یہ بھید کسی سے کہہ دیتے
ہیں تو پھر یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ اور کسی سے نہیں کہے گا۔
ایک بندھے ہوئے گھوڑے کو ایک بچہ بھی آسانی سے کھول سکتا
ہے۔ لیکن ایک سرکش گھوڑا سینکڑوں رستم سے بھی قابو میں
نہیں آسکتا۔ اس لیے ان بے قصور غلاموں کی جان لے کر بے کار
گناہ اپنے سر نہ لیں۔"

خاموشی اور سلامتی

کہا جاتا ہے کہ مصر میں ایک آدمی فقیروں کی طرح پھٹے پُرانے کپڑے پہنے پڑا رہتا تھا اور کسی سے کوئی بات نہ کرتا تھا۔ اس کے اخلاق اور بے غرضی کو دیکھ کر دُور اور نزدیک سے لوگ اس کی زیارت کو آنے لگے اور اس کے چاروں طرف اس طرح لوگوں کی بھیڑ ہو گئی جس طرح چراغ کے چاروں طرف پتنگے جمع ہو جاتے ہیں۔

ایک رات اس نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر میں اسی طرح خاموش رہا تو لوگ کس طرح میری سمجھ بوجھ کا اندازہ کر سکیں گے کیوں کہ بات چیت ہی سے انسان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کر لیا کہ دوسرے دن خاموشی ختم کر کے وہ اپنی زبان کھولے گا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کی باتیں سنیں اور سمجھ گئے کہ سارے مصر میں اس سے زیادہ بے وقوف اور کوئی نہیں ہے۔ سارے لوگ ایک ایک کر کے وہاں سے روانہ ہو گئے اور یہ تنہا رہ گیا۔ اس وقت اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ اگر میں پہلے ہی

اپنی حقیقت سمجھ لیتا تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

سچ ہے خاموشی عقل مند کی عزت کو بڑھاتی ہے اور بے وقوف کی ناسمجھی پر پردہ ڈالتی ہے۔ اس لیے عالم اور جاہل دونوں کو چاہیے کہ خاموشی کو اپنا شیوہ بنائیں۔ اس لیے عالم کا وقار بڑھتا ہے اور بھرم قائم رہتا ہے۔

غیبت اور دوزخ

ایک بار کا ذکر ہے کہ ایک نوجوان شخص حجاج کی برائی کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ بڑا ظالم ہے۔ اس کا دل کالے پتھر کی طرح سخت ہے اس پر لوگوں کی آہ اور فریاد کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ خدا اس سے اس کے ظلم وستم کا بدلہ لے۔ ایک تجربہ کار بوڑھا آدمی اس کی بات سن رہا تھا۔ جب جوان نے اپنی بات ختم کی تو بوڑھا اس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا:۔

"یہ ٹھیک ہے کہ حجاج بڑا ظالم ہے اور کمزوروں اور غریبوں کو جو وہ ستاتا ہے اس کا بدلہ اس سے لیا جائے گا لیکن وہ لوگ بھی بخشے نہیں جائیں گے جو حجاج سے کینہ اور عداوت رکھتے ہیں۔ اور نہ تو حجاج کا غرور اور اس کا ظلم پسندیدہ ہے اور نہ اس کے بارے میں تمہاری غیبت اور برائی تعریف کے قابل ہے اس طرح دونوں اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کر رہے ہیں۔ اور ایسی صورت میں دونوں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔"

بزرگ اور غیبت

کہیں ایک بزرگ رہتے تھے جن کا دِل آئینے کی طرح صاف تھا۔ وہ کسی کی بُرائی سننا پسند نہ کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے بزرگ سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے فلاں شخص آپ کے پیچھے آپ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ یہ سُن کر بزرگ نے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم خاموش رہو کیوں کہ دشمن کی بات نہ جاننا ہی بہتر ہے۔ جو لوگ دشمن کا پیغام ہمارے پاس لاتے ہیں وہ ہمارے دشمن سے بھی زیادہ بُرے اور خطرناک ہیں۔ ہمارا کوئی دوست دشمن کا پیغام ہم تک نہ لائے گا بلکہ پیغام لانے والا دشمن کا دوست ہی ہوگا وہ شخص حقیقت میں ہمارا دوست نہیں ہے جو یہ کہے کہ فلاں شخص تمہارے بارے میں ایسا خیال رکھتا ہے کیوں کہ ایسا آدمی سوئے ہوئے فتنے کو جگاتا اور گڑے ہوئے مُردے کو اُکھاڑتا ہے۔"

فریدون اور وزیر

ایران میں ایک بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے جس کا نام فریدون تھا فریدون کا ایک وزیر بہت نیک اور تجربہ کار تھا۔ اس کے دِل میں ہر وقت خدا کا ڈر رہتا تھا پہلے وہ خدا کی خوشی کو سامنے رکھتا تھا اور پھر بادشاہ کے فرمان پر عمل کیا کرتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ رعایا پر ظلم وستم کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے کیوں کہ اس سے خدا تو ناخوش ہوتا ہی ہے بادشاہ کے یہاں بھی اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور اسی لیے وہ ہمیشہ رعایا کی بھلائی کا خیال رکھتا تھا۔

ایک دن صبح سویرے بادشاہ کے دربار میں ایک شخص حاضر ہوا اور اقبال وسلامتی کی دعائیں دے کر عرض کرنے لگا:۔

"میں کسی غرض سے آپ کے پاس حاضر نہیں ہوا ہوں بلکہ نہایت خلوص اور ایمانداری سے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کا یہ وزیر حقیقت میں آپ کا سب سے بڑا دشمن ہے

اس نے خاص اور عام سب لوگوں کو قرض دے رکھا ہے اور یہ
شرط لگادی ہے کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد انہیں قرض ادا
کرنا ہوگا۔ وہ بے ایمان یہ چاہتا ہے کہ بادشاہ جلد مر جائے تاکہ
قرض وصول ہو اور وہ مال و دولت کا مالک ہو جائے۔"
بادشاہ نے جب یہ بات سنی تو اسے کچھ پریشانی ہوئی اور وزیر کو بلاکر
ساری بات دہرادی اور کہا کہ تم دوست بن کر میرے ساتھ یہ دشمنی کیوں
کر رہے ہو۔ وزیر نے خاموشی سے بادشاہ کی باتیں سنیں اور تخت کو بوسہ
دے کر یوں جواب دیا۔

"جب آپ جاننا ہی چاہتے ہیں تو آپ سے کوئی بات چھپانا
مناسب نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ میں نے لوگوں کو قرض
دے رکھا ہے اور یہ شرط بھی لگادی ہے کہ بادشاہ کے مرنے
کے بعد قرض ادا کرنا ہوگا اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ آپ
کی لمبی عمر کی دعا کریں تاکہ انہیں قرض نہ ادا کرنا پڑے۔ یہ
حقیقت ہے کہ دعا سے بڑی سے بڑی مصیبت ٹل جاتی ہے اور میں یہی
چاہتا ہوں کہ عام لوگوں کی دعا سے آپ زیادہ سے زیادہ زندہ رہیں۔"
وزیر کی بات سن کر بادشاہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وزیر کی عزت اس
کی نگاہ میں زیادہ ہو گئی اور اس نے اسے انعام و اکرام سے نوازا۔

بادشاہ اور عقل مند

ایک بار ایک بادشاہ جو بہادر بھی تھا گھوڑے سے گر پڑا اس کو ایسی
چوٹ آئی کہ اس کی گردن ٹیڑھی ہو گئی۔ تکلیف سے اس کا یہ حال ہو گیا کہ جس
طرح ہاتھی اپنے پورے بدن کو گھمائے بغیر اپنا سر گھما نہیں سکتا اسی طرح یہ بادشاہ
بھی اپنی گردن اسی حالت میں گھما سکتا تھا۔ جب اس کا سارا بدن گھومے ــــ
بادشاہ سخت پریشان ہوا۔ علاج کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا لیکن کوئی
فائدہ نہ ہوا۔ سارے لوگ حیران و پریشان کہ آخر بادشاہ کو کیا ہو گیا ہے۔
ایک دن خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ملک یونان کا ایک عقل مند وہاں پہنچا۔ اسے
بھی بادشاہ کے علاج کے لیے لایا گیا۔ اس نے بادشاہ کے سر کو پکڑ کر معمولی
سا جھٹکا دیا اور بادشاہ کی بیماری جاتی رہی اور وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اگر
یہ عقل مند نہ ملتا تو بادشاہ کے اچھے ہونے کی ذرا بھی امید نہ تھی۔

کچھ دنوں کے بعد وہ عقل مند پھر ایک دن بادشاہ کے پاس پہنچا۔
بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ عقل مند کو بڑی شرمندگی ہوئی اور

غصہ بھی آیا کہ اگر میں اس کی گردن سیدھی نہ کرتا تو آج میری طرف سے منہ نہ پھیر لیتا۔ وہ وہاں سے واپس چلا آیا۔ چند بیج کے دانے غلام کے ہاتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیے۔ اور کہا کہ اسے انگیٹھی میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے دھوئیں سے بادشاہ کو ایک چھینک آئی اور اس کی گردن اور سر پھر اسی طرح اکڑ گیا جیسے پہلے تھا۔ عقل مند آدمی کی تلاش میں پھر لوگ دوڑائے گئے مگر وہ نہ ملا۔

سچ ہے ناشکری کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔

قیدی اور رونے کی آواز

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص کو کوتوال نے کسی وجہ سے گرفتار کرلیا اور اسے قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ تکلیف سے وہ رات بھر کروٹیں بدلتا رہا اور اس کی آنکھ ذرا دیر کو بھی بند نہ ہوئی۔ اندھیری رات میں اس کے کانوں میں رونے کی آواز آئی اس نے غور کیا تو دیکھا کہ ایک شخص رو رہا ہے اور فریاد کر رہا ہے اُس مجرم نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا کہ اس غم میں تو کب تک روئے گا۔ خدا کا شکر ادا کر کہ یہ چوکیدار نے تیرے ہاتھ سختی سے نہیں باندھے ہیں۔ یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو تجھ سے زیادہ تکلیف میں ہیں۔ تجھے ان لوگوں کی طرف بھی نگاہ کرنی چاہیے۔ اور صرف اپنی بے سرو سامانی کا ماتم نہیں کرنا چاہیے۔

باپ اور بیٹا

ایک بار ایک چھوٹا بچہ اپنے باپ کے ساتھ عید کے دن سیر کو نکلا ۔ ہر طرف ایک میلہ سا لگا تھا اور کھیل تماشا ہو رہا تھا۔ میلے میں بچہ تماشا دیکھنے میں اس طرح مشغول ہو گیا کہ باپ کا ساتھ چھوٹ گیا۔ جب کھیل ختم ہوا تو باپ کو نہ پا کر بہت پریشان ہوا اور اِدھر اُدھر بھٹکنے لگا۔ دوسری طرف باپ بھی میلے میں اُسے تلاش کرتا پھرا۔ کافی دیر کے بعد باپ کی نظر بیٹے پر پڑی باپ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا:۔

"میں نے تجھے بارہا کہا ہے کہ میری انگلی پکڑے رہنا۔ بھیڑ بھاڑ میں راستہ سے بھٹک جانا مشکل نہیں ہے۔ آج تو نے خود دیکھ لیا کہ کیسی پریشانی ہوئی"۔

یہ دنیا بھی ایک میلہ ہے اور عوام بچّوں کی طرح ہیں یہاں بھی ہر وقت راستے سے بھٹک جانے کا خطرہ ہے۔ منزل پر وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو نیک لوگوں کے دامن کو پکڑے ہوئے ہیں اور بزرگوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔
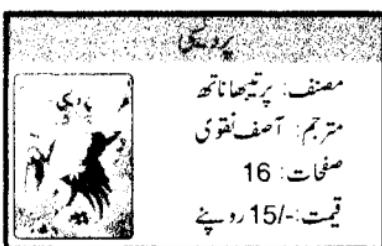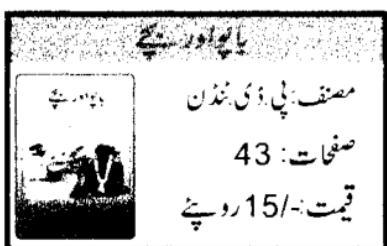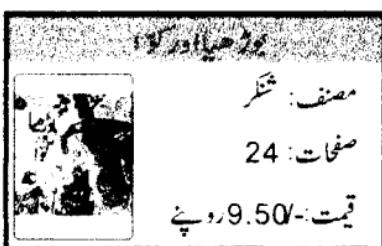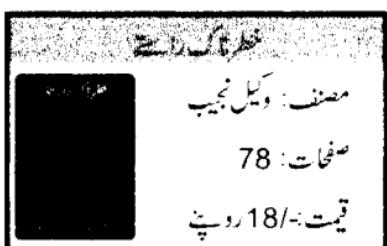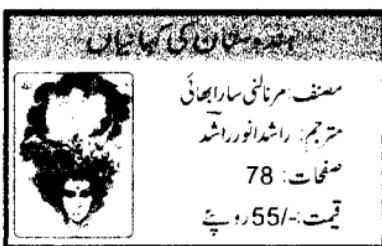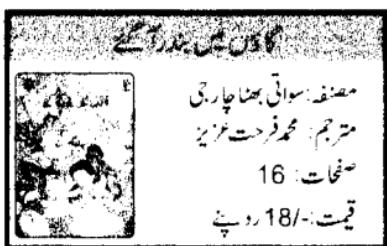
ISBN : 978-81-7587-374-2

कौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110025